© rasailojaraid.com

مولانا محمد زکریا سنبھلی
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

شوال کے مہینہ سے ہمارے دینی مدارس کے نئے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ گویا ہر برس یہ مدارس ایک نئے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ اس موقع پر چند باتیں عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تحریک مدارس سے برصغیر میں جیسا عظیم کام اللہ نے اپنے دین کی حفاظت اور ملت کی رہنمائی کا لیا ہے، اور اس وقت بھی مدارس کی شکل میں ہمارے پاس جو پورا ایک مکمل نیٹ ورک موجود ہے اس کے پیش نظر ان کی مختلف خطرات سے حفاظت ایک عظیم ذمہ داری اور فریضہ ہے۔ مگر مدارس کے حوالہ سے ایک اور پہلو بھی پوری توجہ اور فکر کا متقاضی ہے۔ وہ ہے مدارس کی اس بنیادی روح کی بڑھتی ہوئی کمزوری جو اس نظام کی اصل طاقت اور سرمایہ تھی۔ مدارس کا پورا ماحول اور یہاں کی زندگی کا جو نقشہ تھا، وہ بڑی تیزی کے ساتھ بدلتا جارہا ہے۔ ایمان، خوف خدا، محاسبۂ نفس اور فکر آخرت جیسی صفات جو پورے ڈھانچے کی حفاظت کرتی تھیں اور اللہ کی مدد وتائید کا سبب بنتی تھیں زوال پذیر ہیں۔ اخلاقی قدریں پامال ہورہیں۔ طلبہ میں مقصدیت کا فقدان ہے۔ کم ہمتی اور پژمردگی چھاتی جارہی ہے۔ ہم ان کو اس طویل مدت صحبت میں زندگی میں ان کے مقام سے ہی آشنا نہیں کرا پاتے، ایک ہمہ جہتی انحطاط کی سی صورت ہے۔

ہمارے یہ دینی مدارس جن کا برصغیر میں جال بچھا ہوا ہے یہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ایک خاص فضل اور اس کے غیبی و تکوینی نظام کی ایک ظاہری صورت ہیں۔ یہ مدارس اپنی مثال آپ ہیں دنیا میں اس سے پہلے کہیں اس طرح کا مخصوص نظام قائم نہیں ہوسکا تھا۔ ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے واقعات و حالات نے برصغیر کے مسلمانوں کو توڑ کر رکھ دیا تھا اور لگنے لگا تھا کہ شاید اب اس سرزمین سے قافلۂ اسلام بس کوچ ہی کرنے والا ہے۔ حکومت جاچکی تھی، دین اور دینی قدریں بھی رخت سفر باندھتی ہوئی نظر آتی تھیں کہ اللہ نے اپنے کچھ باتوفیق بندوں کو جن کی تخلیق ہی اس خالق نے اس کام کے لئے کی تھی اسلام کی بقاء کے لئے ان مدارس کے قیام کی توفیق عنایت فرمائی۔ ان بندگان خدا نے بالکل بے سروسامانی کے حالات میں ان مدارس کے قیام کا ارادہ کرلیا۔ ابتداءً یہ پودے بہت چھوٹے تھے پھر جلدی بہت بلند قامت شجر سایہ دار بن گئے اور کچھ ہی عرصہ میں ان درختوں سے ایسے میٹھے پھل بننے لگے جن کی مٹھاس سے برسہا برس سے مسلمانوں کا ذائقہ ناآشنا ہوچکا تھا، ان اللہ کے بندوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیاں دریاؤں کے تیز دھاروں کے مقابل سمت ڈالیں تھیں پھر بھی کشتیاں نہ صرف اپنی منزلِ مقصود تک پہنچیں بلکہ انھوں نے دھاروں کا رخ موڑ دیا۔ اور آج ساری دنیا میں جو مدارس کا نظام قائم ہے انکا بیشتر حصہ انہیں ہندوستانی مدارس کا حسین نقش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اسی طرح دنیائے اسلام میں جو کچھ دین باقی ہے اس کی بقاء میں بھی ان مدارس کا بڑا حصہ ہے۔

ہمارے بزرگوں نے انتہائی نامساعد حالات میں دین کی شمع روشن کی اور آندھیوں سے اس کی حفاظت فرمائی ہے۔ اب جبکہ شمعیں آفتاب و ماھتاب بن کر ہمارے پاس بطور امانت آئی ہوئی ہیں کہیں ہماری کوتاہیوں اور بے توجہی سے انہیں گھن نہ لگ جائے۔

دین کی شمع کی حفاظت میں ان حضرات کو جو قربانیاں دینی پڑی ہیں آج کی دنیا میں جب کہ مادیت کی چمک دمک نے سب کی آنکھیں خیرہ کر دی ہیں ان کا تصور بھی مشکل ہے۔

انہی مدارس سے، اپنے صاحب کردار فرشتہ صفت بزرگ پیدا ہوئے جنھوں نے صحابہ و تابعین کے عہد کی یاد تازہ کر دی انکی بزرگی، دینداری، اور کردار کی پختگی کو دیکھ کر مدرسہ کے وہ ملازم بھی جو خادم پیشہ ہوتے تھے اور جن کا علم سے بھی کوئی خاص تعلق نہ ہوتا تھا، پرہیزگار اللہ سے ڈرنے والے اور تہجد گزار نوافل کے پابند بلکہ جیسا کہ اپنے اساتذہ سے سنا صاحب نسبت ہو جایا کرتے تھے۔

انکے اخلاص وللہیت کے ایسے ایسے واقعات اپنے بزرگوں اور اساتذہ سے سنے ہیں کہ اب تو نئی نسل کو ان پر یقین کرنا بھی مشکل ہے۔ وہ محض دین کے خادم ہوتے تھے نہ ان کے القاب و آداب ہوتے تھے اور نہ وہ خود ان کو پسند کرتے تھے۔ وہ دین کا کام صرف اللہ کی خاطر اور دین کا خادم بن کر ہی کرتے تھے مدرسہ سے آکر مجبوراً تنخواہ بھی لیتے تو بس صرف تنخواہ ہی کی حد تک مدرسہ کی مالیات سے استفادہ کرتے تھے۔ ماضی قریب میں ہی ایسے ذمہ داران مدرسہ اور اساتذہ کرام گذرے ہیں جو مدرسہ کے سامان کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنے کے بارے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ ہم جیسے لوگوں کی ذہن کی وہاں تک رسائی بھی مشکل ہے۔ وہ مدرسہ کے قلم ودوات سے اپنے گھر کو ایک پرچہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ مدرسہ کی دری یا چارپائی کو صرف مدرسہ کے وقت تک ہی استعمال کرتے تھے بعد میں اپنی چارپائی اور دری استعمال کرتے تھے مدرسہ کے سامان سے ایسا انتفاع بھی جس میں اس سامان کا کوئی نقصان بھی نہ ہو ہرگز نہ کرتے تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (رحمہ اللہ) نے اپنی "آپ بیتی" میں ایسے واقعات بکثرت ذکر کئے ہیں۔ مگر اب حالات میں بڑے پیمانے پر تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ دیانت و امانت، اخلاص وللہیت، خوف خدا، پرہیزگاری، دین کا درد اور اس کی خدمت کی تڑپ میں تیزی سے کمی آرہی ہے۔

اب تو کچھ لوگ مدرسہ کے سامان کو ذاتی کاموں میں استعمال کرتے کرتے اس حال میں پہنچ گئے ہیں کہ اس فعل کی قباحت بھی ان کے ذہن و دماغ سے نکل گئی ہے بلکہ بعض کو تو اس کے جواز کی دلیلیں دیتے سنا، حالانکہ ہم سب جانتے ہیں اور ہم لوگ نہ جانیں گے تو کون جانے گا کہ یہ استعمال یقیناً "غلول" ہے اور غلول کے سلسلہ میں کیسی سخت وعیدیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں۔

بلاشبہ مدرسے کے مال اور سامان میں ذاتی تصرف (خواہ اس کی کچھ توجیہات باردہ ہی کیوں نہ کر لی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں) اسی ضابطے میں آتا ہے اور اس سے بھی زیادہ سنگین مسئلہ طلبہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اور مدرسہ کے وقت میں اپنے کام کرنا یا اسے صحیح مصرف میں خرچ نہ کرنے کا ہے۔ یہ طلبہ اپنے گھر بار، ماں باپ اور دیگر اہل خانہ کو چھوڑ کر طلبِ علم کے لئے ہمارے مدارس میں آئے ہیں۔ ان کا حق ہے کہ ہم حتی الوسع اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو ان کے مقصود تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ان کو مطالعہ، مذاکرہ (تکرار) اور درجہ میں پابندی سے آنے اور توجہ سے اسباق سننے اور یاد کرنے کی ترغیب دیتے رہیں۔ مجموعی طور پر ہمارا عمل ایسا ہو کہ طلبہ میں پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ وہ پڑھنے کو بار نہ سمجھیں۔ نیز دین کی خدمت کا مزاج بھی زمانہ طالبعلمی ہی میں بنتا رہے۔

لیکن ہمیں اس میں کامیابی جب ہی ہوگی جب کہ ہمارا عمل بھی خود ایسا ہی ہوگا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ سے بار بار ایک جملہ سنا۔ ''آدمی آدمی سے بنتا ہے کتابوں سے نہیں''۔ ماضی قریب میں ایسے اساتذہ انہیں مدارس میں گذرے ہیں جو طلبہ کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہوا کرتے تھے۔ طلبہ خود کو ان کے مطابق بنانا چاہتے تھے۔ اب ہم لوگ اپنے تلامذہ کے لئے نمونہ ہیں جیسے ہم ہیں ہمارے تلامذہ بھی ویسے ہی بنیں گے۔ اگر ہم درجہ میں بھر پور تیاری کے بغیر جائیں گے تو طلبہ سے یہ امید کرنا کہ وہ مطالعہ دیکھ کر آئیں گے فضول ہے۔ لمبی تقریریں مدرس کو مطمئن کرتی ہیں۔ طلبہ کے لئے مفید کم ہوتی ہیں۔ درس کی تقریر کو پُر مغز اور ایسا ہونا چاہئے کہ طلبہ میں جستجو و تحقیق کا جذبہ پیدا ہو۔ مدرس کا مقصد صرف کتاب حل کرنا نہیں بلکہ فن میں مجتہدانہ بصیرت پیدا کرنا ہونا چاہیے۔

ہمارے مدارس میں بہت سی خارجی چیزیں در آئی ہیں۔ اساتذہ اور طلباء کی دن رات کی گفتگوؤں کا موضوع ملکی اور عالمی سیاست بلکہ اب تو اس سے بھی آگے کھیل اور اس سے متعلق خبریں اور تبصرے بھی ہوگئے ہیں۔ ریڈیو اور اخبارات نے ساری دنیا کو ایک گھر بنا دیا ہے اور ہر وقت پل پل کی اچھی بری خبریں ہر ہر جگہ پہو نچتی رہتی ہیں۔ ریڈیو اور اخبار زندگی کی ضرورت میں شمار ہوتے ہیں لیکن مدرسہ کی حد تک تو یہ دونوں ''اثمھما اکبر من نفعھما'' ہی کا مصداق ہیں۔

ہم لوگوں کے لئے ایک قابل فکر اور لائق توجہ بات یہ بھی ہے کہ حدیث وفقہ کی کتابوں میں زیادہ توجہ صرف اختلافی مسائل پر صرف ہوتی ہے۔ آخرت، جنت، دوزخ، زہد ورقاق، اخلاق ومعاشرت، اعمال کے فضائل اور ترغیب و ترھیب کی احادیث کا بس دورہ سا ہو جاتا ہے۔ جس کے نتائج سامنے ہیں۔

اختلافی مسائل میں بھی ایسا لگتا ہے کہ حنفی استاد کا مقصد محض حنفیت کو ترجیح دینا ہے اور شافعی و سلفی اساتذہ کا مقصد صرف اپنے اپنے مسلک کو ترجیح ہے۔

وہ احادیث جو فریق ثانی کا مستدل ہیں ان کے ضعف کی اگر کوئی معمولی وجہ بھی مل جائے تو اسے ذکر کر دیا جاتا ہے اور اپنے مسلک کی مستدل حدیث کے اسباب ضعف سے بالکل صرف نظر کر لیا جاتا ہے۔ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی خیانت تو ہے ہی جس کے نتیجے میں طلبہ کا ذہن بالکل مقید رہتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تو غور کر لیں کہ یہ احادیث امام ابو حنیفہ یا امام شافعی کے ارشادات و اعمال نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

مسلکی عصبیت کا مرض اب اداروں کی عصبیت اور نصاب درس کے انتخاب اور اپنے بزرگوں کے بارے میں عصبیت تک ممتد ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بڑے بڑے ذمہ دار حضرات کو دوسرے اداروں کے بارے میں بالکل بلا تحقیق غلط باتیں کرتے ہوئے سنا اگر کسی مدرسہ کا نصاب بھی ہمارے مدرسے کے نصاب سے مختلف ہے تو صرف اتنی بات ہی اس مدرسے کے مطعون ہونے کے لئے کافی ہے۔ ایک بزرگ کا طریق اگر دوسرے سے مختلف ہے تو یہ بھی کم از کم سبب بعد تو ہو ہی جاتا ہے۔

مدرسے کے طلبہ بالکلیہ تو باہر کی مسموم فضاؤں اور گندے ماحول سے محفوظ نہیں رہ سکتے لیکن جتنا بھی وہ اپنے کو محفوظ کر سکتے ہوں ضرور کر لیں۔ طالب علمی کا یہ دور زندگی کا سب سے قیمتی دور ہے۔ اس کے ضیاع کی تلافی زندگی بھر نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ کوتاہی ہے جس کی سزا دنیا و آخرت میں بھگتنی پڑے گی۔ اس لئے عزیز طلبہ سے یہ عرض کرنا ہے کہ اپنے قیمتی وقت کی قدر کر لیں۔ اپنے اساتذہ کی نصیحتوں اور ان کے مشوروں پر عمل کریں۔ بے شک اب تم لوگوں کو نہ جنید و شبلی ملیں گے نہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی، ہم ہی جیسے استاذوں سے فائدہ اٹھانا ہے۔ جتنا بھی اٹھا لو، دور واقعی انحطاط کا ہے۔ لیکن اشیاء اور اعمال کی تاثیر اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی۔ محنت، لگن، اخلاص، مطالعہ، مذاکرہ کے اب بھی وہی ثمرات ان شاء اللہ ملیں گے جو ماضی میں ملتے رہے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں جو جیسا بن جاتا ہے زندگی بھر ویسا ہی رہتا ہے۔ جو کوتاہیاں اس وقت رہ جاتی ہیں وہ باقی ہی رہتی ہیں بلکہ خطرہ مزید ان میں پختگی کا ہوتا ہے۔ آپ لوگوں کو مدرسہ کی زندگی کی قدر کے ساتھ اپنے اوقات کو علمی مشاغل میں صرف کرنا ہے۔ زیادہ وقت اپنی درسی کتابوں میں، کچھ وقت اصلاحی اور معیاری قسم کی علمی و تحقیقی غیر درسی کتابوں کے مطالعہ میں بھی صرف کیجئے۔ لیکن ان کتابوں کا انتخاب اپنے کسی استاد سے کرائیے۔ اس زمانے میں بازاری قسم کا لٹریچر یا علمی خبریں اور کھیل بلکہ لہو و لعب سے متعلق چیزیں آپ کے لئے بہت مضر ہیں۔ کہاں طالب علم کا بلند مقام اور کہاں یہ پست چیزیں۔ فراغت کے بعد اگر اللہ کو آپ سے پاک و صاف سیاست کا کچھ کام لینا ہوگا تو اس وقت کی سیاست کا ضروری علم تو چند مہینوں میں حاصل ہو جائے گا۔ آپ غور کریں کہ اس وقت جن علماء نے اسلام اور مسلمانوں کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ اپنی طالب علمی کے زمانے میں بہترین طالب علم رہے ہیں۔ وہ اس وقت صرف اور صرف طالب علم تھے اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے دین کا کام لے گا اور ان شاء اللہ آپ بھی بلند مقام پائیں گے لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ اس وقت اچھے طالب علم بنیں۔ موجودہ بزرگوں

بقیہ ص ۱۰ پر

© rasailojaraid.com